حضرت بیدار دہلوی

قاضی سید محمد حسنین، انجمن عرب سرائے لال محل، حضرت نظام الدین، نئی دہلی ۱۳

سیدی وجدی حضرت میر سید محمد علی عرف میر محمدی بیدار تخلص. عرب سرائے شاہ جہان آباد دہلی کے قدیم باشندہ جوانان عہد محمد شاہ غازی سادات عرب سرائے کے رئیس کبیر مقتدر و معزز ہستی صاحب نسبت بزرگ فصیح زبان شاعر ہوئے ہیں۔ سادات قبیلہ اباحسن کے فرد یکے از اولاد پاک نہاد سیدنا حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ ہیں.

عرب سرائے (غیاثپور) جہان آباد دہلی اُن مستند و مشہور خاندانوں کی بستی رہی ہے. کہ جن خاندانوں کے شیوخ کرام و سادات عظام کو حضرت مریم زمانی بیگم حمیدہ بانو حرم محترم سلطان وقت نصیر الدین ہمایوں بادشاہ شوہر کی وفات کے بعد ادائیگی فریضۂ حج بیت اللہ و زیارت و سعادت حاضری روضۂ اقدس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حصول دولت فیوض و برکات سے بہرہ مند ہو کر ان چندہ صاحبان حسب و نسب کو باجازت خلیفہ دولت عثمانیہ سلطان اول مع خادمان اہل عرب اپنے ہمراہ لے کر آئی تھیں اور اس جگہ آباد کیا تھا۔ اسی سبب سے یہ بستی عرب سرائے مشہور ہوئی اور اس کے چند سال بعد مقبرہ (مدرسہ) ہمایوں کی تعمیر شروع ہوئی تھی.

عرب سرائے اور مقبرہ ہمایوں وہ شہرت یافتہ اور تاریخی مقامات ہیں جہاں

جہاں سقوط دہلی کے دوران، جہاد آزادی ۱۸۵۷ء کے متحدہ قومی سربراہ آخری مغل
بادشاہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر مع اہل خاندان قلعہ شاہ جہاں سے نکل کر
پناہ گزین ہوئے تھے۔ اور عرب سرائے میں شاہ کے تینوں جرنل شہزادوں نے
پناہ لی تھی۔ اور یہیں اطراف کے دیہات کے حریت پسند وفاداروں کی ایک
بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ لیکن شاہ اور شہزادوں کو۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے
اپنے وفاداروں شاہ کے سمدھی کی مخبری و سازش کے ذریعہ گرفتار کرا لیا تھا اور پھر
تیسرے دن ان حریت پسند وفاداران آزادی کو فوج لاکر محاصرہ کرکے گھیر لیا تھا
حملہ کرکے فصیل کو تین جگہ سے توڑ دیا تھا۔ عرب سرائے مقبرہ میں فوج داخل ہو گئی
جہاں تک بھی جہاں بازوں سے بن پڑا اپنے روایتی ہتھیاروں سے مسلح وکثیر تعداد
فوج کا مقابلہ کیا: لاتعداد شہید ہو گئے۔ جو کچھ بچ رہے تھے بلا امتیاز زن و مرد
بچوں کے گرفتار کرکے پابجولاں لایا جاتا اور اجتماعی طور پر قتل کر دیا گیا۔ مکینوں
کے قتل کے بعد خالی مکانوں کو لوٹ لیا۔ منڈی کو لوٹا گیا۔ تمام قیمتی ساز و سامان
کی لوٹ کے بعد مکانوں سے تمام علمی اثاثہ اور مسجد و مدرسے سے تمام مذہبی کتب
کو جمع کرکے آگ لگا دی گئی۔ یہ تھا وفاداران کمپنی کی زیر نگرانی فوج کی خانہ تلاشی
کے مناظر۔ البتہ اس جرم وفاداری کی پاداش میں قتل و غارتگری۔ لوٹ و آتش زنی
کے بعد عرب سرائے و منڈی ویران ہو گئی۔ اور اعلان عام معافی کے بعد پھر وہ چند
نفوس جو دوسرے مقامات پر آزادی کی جنگ میں شریک تھے۔ اور زندہ بچ کر
سرحد پار کہیں پناہ گزین ہو رہے تھے۔ واپس آ گئے اور تباہ و خستہ حال اہل
خاندان افراد کو تلاش کرکے لائے اور دوبارہ آباد ہو گئے۔ لیکن پھر ایک عرصہ
بعد بھی سرکار تصرف میں لے لیا گیا۔ اور عرب سرائے نہ صرف غیر آباد ہوئی بلکہ برباد
ہو گئی۔ اب جو شکستہ فصیل، دروازے۔ جامع مسجد و مدرسہ عرب سرائے و حجرات

نظر آتے ہیں ان ہی آثار سے عرب سرائے کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اور جنوبی دروازہ و معقب مقبرہ عیسیٰ خان وزیر فصیل جو قبرستان "موسومہ تربہ" جس میں شہدائے آزادی بھی مدفون ہیں۔ یہ پرانی یادگار کے نشان جو نظر آتے ہیں جن کو دیکھ کر حسرت و یاس سے دل بھر آتا ہے۔ اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ سچ ہے بسا باقی رہے نام اللہ کا اس بارے میں تاریخی واقعات کو انشاء اللہ کسی وقت تفصیل سے پیش کروں گا بشرط صحت و زندگی و بتوفیق الٰہی۔

حضرت میر سید محمد علی میر محمدی۔ بیدار اسی بابرکت و تاریخی اہمیت کی حامل زمین کے معزز فرد تھے اور یہیں آپ کی ولادت سردار قبیلہ سادات و سربراہ عرب سرائے سید ابو محمد عبداللہ کے ہاں ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت مدرسہ عرب سرائے کے فاضل علماء و مشائخ کرام کی زیر پرستی ہوئی۔ باوجود اس کے فخر و امتیاز و اقتدار شریعت و نجابت خاندانی میراث تھی لیکن بایں ہمہ ابتداء سن شعور سے دنیاوی نام و نمود و تفاخر و ناموری سے بے نیاز۔ نہایت حلیم الطبع۔ منکسر المزاج۔ غرباپرور واقع ہوئے تھے۔ میلان طبع درویشی کی جانب اور مذاق شعر و سخن میں مابہ الامتیاز حیثیت کے مالک۔ اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ سے آراستہ صاحب تقویٰ بزرگ اور اردو فارسی کے فصیح زبان شاعر تھے۔

میدان شعر و سخن میں میر سید محمد علی میر محمدی بیدار دہلوی کو شاہ حاتم و خواجہ میر درد سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ جبکہ ان حضرات شعراء کے حلقہ احباب میں شامل اور ہم عصر ہیں فارسی میں مرزا مرتضیٰ علی فراق سے مشورہ سخن فرماتے تھے۔

حضرت بیدار دہلوی کے متعلق استاذ الاساتذہ ناخدائے سخن میر تقی میر صاحب دہلوی نے اپنے مرتبہ تذکرۂ نکات الشعراء میں تحریر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۶، ۲۹)

میاں محمد علی بیدار جوانے است مرد آں خوش خلق از شاگردان خواجہ میر درد ریختہ بسیار

صاف دشستہ می گویند، صاحب دیوان است۔ از یاران مرتضیٰ قلی بیگ فراق تخلص کہ بسیار شاعر فارسی اندست۔ اکثر صحبتہائے فقراء بگرمی پیش می آید۔ الحاصل مرد خوب رنگین مزاج است۔ خدا سلامت دارد۔ تذکرۂ نکات الشعراء۔ مطبوعہ اردو اکیڈمی لکھنؤ۔

حوالہ تذکرۃ الشعراء۔ عبدالغفور نساخ ۱۲۸۱ء مطبوعہ اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء صفحہ ۴۷۔ بیدار تخلص میر محمد علی عرف میر محمدی دہلوی۔ شاگرد مرزا مرتضیٰ علی خان فراق و مرید حضرت مولانا فخرالدینؒ شعر گوئی میں اچھی مشق پیدا کی تھی۔ اکبر آباد میں جا کر راہی ملک بقاء ہوئے۔ صاحب دیوان گذرے۔

حوالہ از تذکرہ میر حسن۔ صہ ۲۹ پر تحریر ہے کہ:

بیدار۔ میاں محمد علی المتخلص بہ بیدار جوانے محمد شاہی است۔ از شاگردان مرتضیٰ قلی بیگ کہ شاعر فارسی گو بود فراق تخلص می نمود۔ قریب چہاردہ سال شدہ باشد فقیر اورا در لباس درویشی شاہجہاں آباد دیدہ بود۔ طبع درد مند است بہ زیور علم آراستہ بود۔ معلوم نیست کجاست۔

حوالہ از گلشن بے خار تصنیف نواب مصطفیٰ خان شیفتہ صہ ۳۵ تا صہ ۳۶۔ اتر پردیش اردو اکیڈمی۔ لکھنؤ۔

بیدار تخلص۔ میر محمدی اصلش از دہلی زماں بسر برد ایں دیار عرب سرائے کہ سرکردہ از جہان آباد جانب جنوب است؛ اقامت داشت۔ باز بہ اکبرآباد نقل کردہ طرح سکون انداخت دہم درآنجا روح پاکش جسد عنصری را خیرباد گفت از شاگردان مرتضیٰ قلی بیگ فراق شمردہ میشود۔ کسب باطن از خدمت مولانا فخرالدینؒ نمودہ خرقہ خلافت در بر کردہ۔ نسبتی درست داشتہ مدتہا بر سر مشق سخن بودہ مہارتے شایان بدست آوردہ صاحب دیوان است۔

حوالہ تاریخ ادب اردو (مصور) تصنیف جناب بابو رام سکسینہ۔
(مطبع نولکشور، لکھنؤ)

بیدار۔ میر محمد علی عرف میر محمدی۔ المتخلص بہ بیدار۔ خواجہ میر درد کے دوست اور شاگرد تھے۔ فارسی میں مرتضیٰ قلی خان فراق سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ حاتم کو بھی کلام دکھایا تھا:

مولانا "فخر الدین کے مریدوں میں تھے۔ آخری عمر میں دلی سے آگرہ چلے گئے تھے جہاں ۱۲۰۹ھ میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ میر و مرزا کے ہم عصر تھے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے۔ ان کے کلام میں صفائی کے ساتھ تصوف کا رنگ بھی اچھا خاصہ ہے۔

حوالہ از خمخانۂ جاوید۔ مصنفہ لالہ سری رام ایم۔ اے جلد اول باب اول ص ۶۳۳ مطبوعہ ۱۳۲۵ھ۔

بیدار۔ میر محمدی دہلوی۔ شاگرد میر درد و شاہ حاتم و مرید مولانا فخر الدین قدس سرہٗ۔ دہلی چھوڑ کر اکبر آباد جا رہے تھے۔ میر و مرزا کے ہم عصر تھے کچھ دنوں مرتضیٰ علی خان فراق سے بھی اصلاح لی تھی۔ دہلی میں قیام کے وقت عرب سرا میں سکونت پذیر تھے۔ کلام صاف و دلپذیر اور معرفت سے بھرا ہوا ہے۔ یہ بھی شاہ حاتم کے ان شاگردوں میں تھے۔ جنہوں نے اردو زبان کی درستی میں سعی و فکر کی تھی۔ جب سودا نے اس رنگ نا محمود کو ترک کیا تو بیدار نے بھی اس میں کوشش کی بلکہ سودا کی صفائی کے ساتھ اپنا تصوف کا رنگ بقدر مناسب شامل کر کے اپنے طرز کلام کو علاحدہ کر لیا۔ ان کے بعض اشعار اپنی دل آویزی کے باعث اب تک لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ ملاحظہ ہو! ۔

ربط جو چاہیئے بیدار تو آتا معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے

نقل حوالہ از گلشن ہند، مصنفہ میرزا علی متخلص بہ لطف ص ۶۳ تا ص ۵۹ ۱۹۸۶ء اُتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ۔

بیدار تخلص میر محمدی نام۔ شاہ جہاں آبادی۔ دوستوں میں سے خواجہ میر درد تخلص کے تھے۔ نزاکت معانی میں بخوبی آشنا اور زبان دانان اردو سے ہمیشہ ہمنوا رہے۔ کہتے ہیں کلام اپنا انھوں نے اصلاح کی تقریب سے خواجہ میر درد کو دکھایا ہے۔ اور اس نقاد بازار معانی سے فائدہ بہت اٹھایا ہے۔ زبان ریختہ میں صاحب دیوان ہیں۔

مذکورہ بالا تمام حوالہ جات مستند مصنفین کے قدیم مرتبہ تذکرہ ہائے شعراء سے نقل کئے ہیں۔ ان تمام حوالہ جات سے یہ حقیقت صاف عیاں اور واضح ہو جاتی ہے کہ: حضرت سید محمد علی، میر محمدی، بیدار دہلوی نہ صرف یہ کہ وہ شاہ جہان آباد دہلی کے اصل باشندہ ہیں، بلکہ آپ کا مولد وطن بربادی خزاں کا اُجڑا ہوا دیار "عرب سرائے" (غیاث پورہ) شاہجہان آباد۔ دلی ہے۔

چونکہ بعض تذکرہ نگار صاحبان علم و دانش نے اپنے اپنے مرتبہ تذکروں میں جہاں مقامی و ملکی حالات و واقعات پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔ بلکہ شعراء کے بیشتر حالات بیان کرنے سے بھی گریز کیا ہے۔ اور شعراء کے سنِ وفات و مدت عمر بھی تحریر نہیں کی ہے۔ ایسے ہی بلا تحقیق بمثل نقل آپ کو دہلوی کے بجائے اکبرآبادی تحریر کر دیا۔ اور کئی دوسرے ہمنام و تخلص ہونے کیوجہ سے بھی یہ التباس سرزد ہوا ہے۔ (اللہ تعالیٰ معاف فرمائے) البتہ بضرورت

تعارف تذکرہ ہائے شعراء میں حضرت بیدارؔ دہلوی کا کسی نے مختصر اور کسی نے اضافہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور آپ کے کلام اردو۔ فارسی سے پسندیدہ و منتخب اشعار بطور نمونہ کلام نقل کئے ہیں۔

اگرچہ حضرت بیدارؔ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے والد بزرگوار سے نسبت سلوک حاصل تھی اور صاحبِ مجاز طریقہ قادریہ تھے لیکن اس مئے عشق معرفت حق کو مزید فزوں تر و دو آتشہ کرنے کی طلب صادق میں حضرت شاہ فخرالدین چشتی نظامی کے دستِ مبارک پر بیعت ہو گئے۔ اور بہت جلد مرشد حق آگاہ کی فیض صحبت و تربیت اور توجہ خصوصی سے قلب و روح نے وہ جلا پائی کہ خرقہ خلافت و کلاہِ فخر و سعادت اور اجازت بیعت سے سرفراز فرمایا۔ اس نعمت فخر و سعادت کے حاصل ہونے کی خوشی میں باجازت شیخ و مرشد کامل شوق زیارت و حاضری حرمین شریفین و ادائیگی فریضۂ حج اپنے حقیقی اور مخصوص اعزہ و احباب کو ساتھ لے کر حجاز مقدس روانہ ہو گئے۔ اور بعد مدت چند سال واپس آئے تو اپنے قدیم مسکن عرب سرائے میں ہی قیام پذیر ہوئے ؎

چھوڑ کر کوئے بتاں جاتا تو ہے کعبہ کو
جلد پھر لو تجھے بیدارؔ خدا کو سونپا

یہاں ضمناً یہ عرض کرنا بے محل نہیں ہوگا کہ حضرت شاہ فخر قدس سرہٗ العزیز سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے عظیم المرتبہ۔ جلیل القدر بزرگ۔ صاحب فضل و کرم ہستی ہیں جن کا مشائخ عظام میں شمار ہے۔ حضرت شاہ موصوف کو صاحب سلسلہ خواجہ راستین حضرت نظام الملّت والدین قدس سرہٗ العزیز سے والہانہ عقیدت تھی اور اکثر و بیشتر بغرض حصول فیض روحانی و برکات مزار مبارک پر اپنے زیر تربیت وابستگان

جب تشریف لاتے تو اس دوران حاضری اپنے مجاز و محب صادق حضرت میر محمدی بیدار کے غریب خانہ موروثی۔ ملک از عطیہ شاہی موسومہ "لال محل" میں بضرورت خلوت و استراحت قیام فرماتے تھے۔ شیخ موصوف کی پسند خاطر کیوجہ سے حضرت بیدار نے اپنی ملک موروثی جائیداد "لال محل" حضرت پیر و مرشد حضرت شاہ فخر کی خدمت بابرکت میں ہدیتاً نذر میں پیش کر دی تھی۔

ترک سکونت کے سلسلہ میں جو روایت سنی ہے وہ یہ ہے کہ سیدی و جدی حضرت بیدار کے مشفق و مربی اور مرشد والد بزرگوار قدس سرہ اور والدہ مخدومہ کا چند سال کے دوران انتقال ہو گیا تھا۔ البتہ ان صدمات کا ازالہ مرشد کامل حضرت شاہ فخر منبع فیض و برکات کے وجود مسعود میں حاضری۔ آپ کی رفاقت و محبت قلب و روح کے لئے راحت و سکون و باعث دولت طمانیت تھا لیکن مشفق و مہربان مخدوم ماویٰ و ملجاء وابستگان کی دائمی جدائی آپ کی وفات پا جانے سے یہ صدمہ جانکاہ ناقابل برداشت تھا۔ ادھر نظام کی ابتری اور سیاسی بے چینی نے باوجود دلی کی روایتی گہما گہمی اور پر رونق محفلوں اور باوقار مجلسوں میں بھی اس زخم خوردہ دل والے آزردہ خاطر درویش صفت انسان کے لئے ان میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے سیدی بیدار کو گوشہ امن و عافیت و کنج گمنامی و قناعت میں جا رہنے کا ارادہ کر لیا۔ اسی کے ساتھ آپ نے اپنا تمام اثاثہ مال و املاک حقدار ورثاء اور مساکین و غرباء پر تقسیم کر دیا اور کل سے سبکدوش ہو کر اکبرآباد (آگرہ) تشریف لے گئے اور وہاں جا کر گوشہ گمنامی میں جا رہے اور پھر ہمیشہ کے لئے وہیں کے ہو رہے اور ۱۰ ۱۲۰۹ھ میں وہیں وفات پائی۔ آپ کا مزار سیپ کا بازار آگرہ میں تاحال موجود ہے۔ اگرچہ ۱۹۴۷ء

کے ہنگامی حالات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی شرپسند نے آپ کے مزار کو نہ صرف نقصان پہنچا کر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن چند ایک سال بعد برادر محترم حکیم سید حسین دہلوی مرحوم (م ۱۹۹۲ء) نے بکمال سعی و جد و جہد ناجائز قبضہ سے نکال کرانے میں کامیابی حاصل کر کے مزار و احاطہ کی درستی و مرمت وغیرہ کرا دی تھی اور مقامی طور پر جناب میکش اکبرآبادی کی نگرانی میں کر دیا تھا۔ اور اکثر بشیر حکیم صاحب مرحوم مزار شریف پر حاضر ہوتے اور ضروریات پوری کرتے رہے ہیں۔

چونکہ حضرت بیدار کا دہلی سے ترک سکونت کے اسباب تو وہی ہیں جو اوپر بیان کئے ہیں۔ لیکن آپ کا قدیم اور مولد وطن تو عرب سرائے دہلی ہی ہے جبکہ بعض تذکرہ نگار صاحبان نے بلا تحقیق حضرت میر سید محمد علی محمدی بیدار دہلوی کو اکبرآبادی تحریر کر دیا ہے۔ جو حقیقتاً غلط اور بے اصل بات ہے۔

دیوان بیدار کی بازیافت:

اس بارے میں اہل علم و تحقیق کا شبہ اپنی جگہ درست ہے کہ اہل خاندان کے پاس حضرت سیدی و جدی بیدار دہلوی کے ہر دو مخطوطہ دیوان اردو و فارسی کیوں نہیں ہیں۔ تو اس شبہ کے ازالہ میں پہلی وجہ تو وہ ہے جو واقعات ۱۸۵۷ء کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں۔ اگرچہ اس کے کافی عرصہ بعد اگر یہ دیوان کہیں سے دستیاب بھی ہو گئے۔ تو برادر مکرم علامہ اخلاق دہلوی مرحوم (متوفی ۱۹۹۳ء) جو دہلی کی مشہور اور علمی شخصیت اور نامور مصنف گزرے ہیں۔ ان کے پاس موجود تھے۔ لیکن افسوس ۱۹۴۷ء میں جبکہ ان کا قیام ملتانی ڈھانڈہ۔ پہاڑ گنج میں تھا وہاں سینکڑوں کتابیں اور گھر کا تمام اثاثہ لٹ گیا تھا۔ اور خود گھر سے صرف تین کپڑوں میں گھر سے نکل کر آئے تھے۔ اور اپنی عمر بھر کی کمائی اس علمی اثاثہ کا تادم آخر ان کو قلق رہا۔ یہ وہ پے در پے بربادی کا نتیجہ ہے جو ہمارے ساتھ ہوتی آئی ہے۔

لیکن اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے حد و حساب انعام و کرم ہے کہ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کی ہمت و قوت و برداشت عطا فرمائی۔ اور عزت و آبرو کو ہر آفت و بلا سے اپنے فضل و کرم سے بچائے رکھنے میں غیبی نصرت و مدد سے حفاظت فرمائی۔ للہ الحمد والشکر۔

لیکن یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ عرصہ سرائے کی بربادی کے ایک طویل عرصہ بعد قدر دان سخن و شناسائے علم و ادب محترم جناب جلیل احمد قدوائی صاحب سابق لیکچرار شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ کو بخوبی قسمت حضرت بیدارؔ دہلوی دونوں مخطوطہ دیوان اردو اور فارسی ایک کتب فروش نے لاکر پیش کئے تو پروفیسر موصوف نے خرید لئے۔ اور مطالعہ کے بعد نہایت جامع و مبسوط مقدمہ تحریر فرما کر خصوصی توجہ کے ساتھ دیوان اردو بیدارؔ دہلوی کو ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۳۶ء میں شائع کرانے میں کامیابی حاصل فرمائی۔

بہرحال قدوائی صاحب موصوف کی مخلصانہ سعی مستحسن اور علمی قدر افزائی مستحق مبارکباد و لائق قدر افزائی ہے کہ موصوف نے حلقہ ارباب علم و ادب و شائقین شعر و سخن و خوشہ چینان تحقیق کو ایک نادر و نایاب گنجینۂ علم سے نہ صرف روشناس ہونے بلکہ زبان و ادب کے میدان میں استفادہ کی شاہراہ کشادہ فرما کر ناقابلِ فراموش خدمت انجام فرما کر احسان فرمایا ہے۔ اس پر جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بے لوث خدمت پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ ؎ این دعا از من و جملہ جہان آمین آباد

کاش کہ محترم قدوائی صاحب بیدارؔ کا دیوان فارسی کلام بھی شائع فرما دیتے تو مزید موجب شکر گذاری ہوتا۔ مگر افسوس! کہ مدت ہوئی محترم قدوائی

صاحب موصوف ہندوستان سے ترک سکونت فرما کر چلے گئے اور اب کراچی پاکستان میں مقیم ہیں۔ دعا ہے کہ صحت و عافیت کے ساتھ درازی عمر عطا ہو اور اس معروضہ کو شرف باریابی کی کوئی سہل صورت اللہ تعالیٰ ظاہر فرمائے۔ آمین۔ کلام بیدارؔ دہلوی پر قدوائی صاحب موصوف کے مقدمہ اور موازنہ کلام کے اقتباسات و احساسات انشاء اللہ تعالیٰ بشرط صحت و زندگی و بتوفیق الٰہی آئندہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

شاعر مدحت رسول رحمت للعالمین محترم ابرار کرتپوری ثم دہلوی کی ہدایت تاکیدی فرمائش پر کلام حضرت بیدارؔ دہلوی سے چند منتخب اشعار جو استادان شعر و سخن نے اپنے تذکروں میں بھی نقل کئے ہیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیے۔

بھرا نہ شل نگیں زخم یہ میرے دل کا — کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا

اہل کمال سے جو ہوا کام رہ گیا — تا حشر یادگار جہاں نام رہ گیا

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو — کہا تجھ لب نے ہم رنگ خجالت لعل و مرجاں کو

دیکھ تجھ کاکل مشکیں کی ادائیں شانہ — دونوں ہاتھوں سے لیتا ہے بلائیں شانہ

بیدارؔ کیوں یہ آتش دل اشک سے بجھے — ظاہر کی آگ ہو تو اسے پانی بجھا سکے

ناتوانی سے مری دیکھو لے دست جنون — رہ گیا ہو نہ کوئی تار گریباں میں چھپا

تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار — گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا

ہو گیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار — اشک تھا بیدارؔ یا آگ کا پرکالہ تھا

کہاں ہے طالع بیدارؔ کہ ایسا ہو — کہ سر دھرے میرے زانو پہ یار سوتا ہو

نہ پر و پرواز ہے بیدارؔ نہ فصل بہار — کس توقع پر قفس سے ہو دیں اب آزاد ہم

عکس اُس کا پڑا جو دریا میں — آب حیرت زدہ ہو بہہ نہ سکا

واہ واہ ادا دلبر کہ فہم یونہی چاہیئے — ہم سے ہو نا آشنا غیروں سے ہو نا آشنا

بیدار راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی — صحرا میں قیس دشت میں فرہاد رہ گیا

کلام فارسی سے دو شعر نقل ہیں :-

در انجمنے غیر من نیست — گنجائش حرف ما و من نیست

آن کافر بدکیش چہ گویم بیدار — آفتے بود کہ از دیدنش ایمانم رفت

دوستاں جمع یاران شما ارزانی — واگذارید بمن گوشۂ تنہائی را

بقیہ : خبر مشہور کی تعریف واہمیت

اسی طرح بہت سی طویل حدیثیں ایسی ہیں جو مشہور حدیثوں میں شمار ہوتی ہیں جیسے وہ حدیثیں جن میں ایمانی حکمتوں زکوٰۃ کی برکتوں، حج کے پاکیزہ مقاصد اور حضرت عائشہؓ پر تہمت وافک کا تذکرہ ہے یہ ایسی مشہور طویل حدیثیں ہیں جو صحیح سندوں کے ساتھ منقول نہیں ہوئی ہیں لیکن مشہور ہیں یا وہ مشہور حدیثیں جن میں پرندوں کے بارے میں تذکرہ پایا جاتا ہے یا وہ حدیثیں جن میں قبیلوں کے بارے میں تذکرہ ملتا ہے۔ یہی وہ حدیثیں ہیں جن کو مشہور جانا جاتا ہے اور جن کے بارے میں اہل علم واقفیت رکھتے ہیں اور یہ بھی پہلو ہے کہ کچھ مشہور حدیثیں ایسی ہیں جو اگرچہ اہل علم سے پوشیدہ ہیں لیکن پھر بھی مشہور مانی جاتی ہیں اور جن کی معرفت کے بارے میں خاص و عام واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن فقہاء کے نزدیک مشہور حدیثیں وہ ہوتی ہیں جنکو صحابی تابعی وغیرہ روایت کریں جیسے ابو مخلد کی وہ حدیث جسکو انس بن مالک نے روایت کیا ہے۔

(باقی آئندہ)